درس ترمذی شریف

افادیت: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ العالی
ضبط و ترتیب: مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

ابواب البر والصلة

والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن وسلوک اور صلہ رحمی

باب الفضل فی رضا الوالدین

والدین کی خوشنودی کی فضیلت

حدثنا ابن ابی عمر ' حدثنا سفیان عن عطا بن السائب عن ابی عبدالرحمان السلمی عن ابی الدرداء قال ان رجلا اتاه فقال ان لی امرة وان امی تامرنی بطلاقها فقال ابو الدرداء : سمعت رسول الله ﷺ یقول الوالد اوسط ابواب الجنة فان شئت فاضع ذلک الباب او احفظه ' وربما قال سفیان ان امی و ربما قال ابی۔

هذا حدیث صحیح۔ و ابو عبدالرحمان السلمی اسمه عبدالله بن حبیب۔

ترجمہ: ہمیں ابن عمر نے روایت کی انہوں نے سفیان سے انہوں نے عطاء بن السائب سے انہوں نے ابو عبدالرحمان السلمی سے انہوں نے حضرت ابوالدرداء سے' راوی کہتا ہے کہ ایک آدمی انکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے جس کے بارے میں میری والدہ مجھے حکم دیتی ہیں کہ میں اس کو طلاق دے دوں۔ تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے وہ فرمار ہے تھے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اسے گنوا بیٹھو اور چاہو اس کا لحاظ رکھو اور اس کی حفاظت کرو۔ سفیان نے کبھی کہا کہ میری ماں' اور کبھی کہا کہ میرا باپ۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوعبدالرحمان السلمی کا نام عبداللہ بن حبیب ہے۔

حدثنا ابو حفص عمرو بن علی ' حدثنا خالد بن الحارث عن شعبة عن یعلیٰ ابن عطاء عن ابیه عن عبدالله بن عمرو عن النبی ﷺ قال: رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد۔

ترجمہ: ہمیں ابوحفص عمرو بن علی نے روایت کی انہوں نے خالد بن الحارث سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے یعلی بن عطاء سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار کی خوشنودی اور رضا والد کی خوشنودی اور رضا میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی اور سخط والد کی ناراضگی اور سخط میں ہے۔

حدثنا محمد بن بشار ' حدثنا محمد بن جعفر ' حدثنا شعبة عن یعلی بن عطاء عن ابیه عن عبدالله بن عمرو نحوه ولم یرفعه ' هذا اصح وهكذا روى اصحاب شعبة عن شعبة عن یعلی عن ابیه عن عبدالله بن عمرو موقوفاً ولا نعلم احداً رفعه غیر خالد بن الحارث عن شعبة وخالد بن الحارث ثقة مامون ' سمعت محمد بن المثنی یقول : مارأیت بالبصرة مثل خالد بن الحارث ولابالكوفة مثل عبدالله بن ادریس وفی الباب عن ابن مسعودؓ

ترجمہ: ہمیں محمد بن بشار نے روایت کی انہوں نے محمد بن جعفر سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے یعلی بن عطاء سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے لیکن اس روایت کو انہوں نے مرفوع ذکر نہیں کیا یہ زیادہ صحیح ہے اسی طرح شعبہ کے تلامذہ نے ان سے اور انہوں نے یعلی سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے عبداللہ بن عمروؓ سے موقوفاً روایت کی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ خالد بن الحارث کے علاوہ کسی دوسرے شاگرد نے شعبہ سے مرفوعاً حدیث روایت کی ہو اور خالد بن الحارث ثقہ اور مامون ہے۔ میں نے محمد بن المثنی سے سنا ہے وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس جیسا کسی کو نہیں دیکھا اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی روایت مروی ہے۔

تشریح:

امام ترمذیؒ اس باب میں والدین کے ساتھ احسان حسن سلوک اور نیکی کرنے کی اہمیت کو واضح کرنا چاہتے ہیں اور اس کے مثبت پہلو کو بیان کر رہے ہیں کہ والدین کو راضی رکھنا کتنی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپؓ سے عرض کرنے لگا کہ میری ایک بیوی ہے میری والدہ مجھے اس بات کا حکم دیتی ہے کہ میں اس کو طلاق دے دوں میری والدہ کو اپنی بہو پسند نہیں (ساس اور بہو کی رسہ کشی ہر دور میں چلی آرہی ہے اور انکے اختلافات تقریباً ہر جگہ ہوتے رہتے ہیں) میں اس معاملہ میں آپؓ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں مجھے صحیح مشورہ اور شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔ تو حضرت ابوالدرداء نے فرمایا سوچ لو میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے۔ چاہے اس کو اختیار کر کے جنت میں داخل ہو جاؤ یا اسکو ترک کر کے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ لہذا اگر آپکی والدہ کا مطالبہ صحیح ہے اور وہ کوئی صریح زیادتی نہ کرتی ہو اور آپ اپنی منکوحہ میں وہ

عیوب دیکھتے ہوں جسکی بناءٔ پر تمہاری والدہ ناراض ہے تو پھر اپنی والدہ کی بات مان کر اس کو طلاق دے دو۔

اوسط ابواب الجنة :

اوسط کے معنی ہے درمیان کے۔ یہاں مراد اختصار ہے کہ جنت کا آسان اور مختصر ترین راستہ والد کی رضا ہے اس کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ رسول کریم ﷺ کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم اس راستے کو استعمال کرو گے تو جنت تک جلد رسائی ہوگی۔ اور اگر اس کو ضائع کرو گے تو پھر جنت سے محروم رہ جاؤ گے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ الجنة تحت اقدام الامهات کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حقیقی طور پر جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماں کی اطاعت اور اس کی اتباع میں جنت ہے۔

اعتراض: یہاں یہ اشکال ضرور واقع ہوگا کہ سائل نے تو کہا تھا کہ اذا امی تأمرنی الخ کہ میری ماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ اور حضرت ابوالدرداءؓ نے جواب میں فرمایا کہ الوالد اوسط ابواب الجنة الخ کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے تو سوال و جواب میں ظاہری تعارض ہے۔

الجواب (۱) تو اس تعارض کا حل یہ ہے کہ یہاں والد سے مراد صرف والد نہیں بلکہ (من له وصف الولادة) جس میں پیدا کرنے کی صفت موجود ہو' تو وصف ولادت جس طرح ماں کو حاصل ہے اسی طرح والد کو بھی حاصل ہے' تو والد کا ذکر والدہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ جیسے عاذلة کی دلالت عاذل پر۔ متنبی کہتا ہے عذل العوازل حول قلب التائه۔ جس طرح ملامت کرنیوالی عورت ہوتی ہے اسی طرح مرد بھی ملامت گر ہوسکتا ہے تو عوازل جس طرح عاذلة پر دال ہے تو اسی طرح عاذل پر بھی دال ہے کہ ملامت کرنے والا مرد ہو یا عورت مراد اس سے ملامت گر ہی ہے یعنی جسمیں صفت ملامت پائی جائے تو یہاں بھی الوالد سے مراد من له وصف الولادة مراد ہے۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں والد تو عبارة النص سے ثابت ہوا اور والدة دلالة النص سے ثابت ہوئی یعنی کہ جاؤ اور اپنی والدہ کے حکم کی تعمیل کرو۔

(۳) اگر سفیان کی روایت ان ابی یامرنی کو دیکھا جائے تو پھر کوئی اشکال نہیں۔

رضا الرب فی رضا الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد یعنی پروردگار کی رضا اور خوشنودی باپ کی رضا اور خوشنودی میں ہے اور پروردگار کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے' اس لئے والد کے احسانات وانعامات محسوسات میں سے ہیں۔ اور بیٹا ہر وقت اس کو دیکھتا رہتا ہے اسے محسوس کرتا ہے جب بیٹے نے باپ کے احسانات کا پاس نہ رکھا تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات انعامات کا کیسے پاس رکھے گا جو محسوس نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ بندہ جب اپنے باپ کا فرمانبردار اور تابعدار نہیں بنا تو وہ میرا کیسا تابعدار اور فرمانبردار بنے گا۔ کہ

من لم یشکر الناس لم یشکر الله (الحدیث)

جو انسانوں کا شکر گزار نہیں وہ اللہ کا شکر گزار نہیں بن سکتا۔

باب ماجاء في عقوق الوالدين
والدین کی نافرمانی کرنا

حدثنا حميدبن سعيد ' حدثنا بشر بن المفضل 'حدثنا الجريري عن عبدالرحمان بن ابي بكرة عن ابيه قال: قال رسول الله ﷺ ألا احدثكم باكبرالكبائر؟ قالوا بلى يا رسول الله قال: الاشراك بالله و عقوق الوالدين' قال: وجلس وكان متكئاً قال : وشهادة الزور اوقول الزور' فما زال رسول الله ﷺ يقولها حتى قلنا ليته سكت وفي الباب عن ابي سعيد'
هذا حديث حسن صحيح و ابو بكرة اسمه نفيع

ترجمہ: ہمیں حمید بن سعدۃ نے روایت کی انہوں نے بشر بن المفضل سے انہوں نے جریری سے انہوں نے عبدالرحمان بن ابی بکرۃ سے انہوں نے اپنے والد سے اور آپ کے والد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اکبرالکبائر سے آگاہ نہ کروں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا (۲) والدین کی نافرمانی کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے۔ حالانکہ آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات رسول اللہ ﷺ بار بار اسی جملے کو دھراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ ﷺ سکوت فرمائیں۔

اس باب میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے بھی روایت مروی ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوبکرہ کا نام نفیع ہے۔

حدثنا قتيبة ' حدثنا الليث بن سعد عن ابن الهاد عن سعد بن ابراهيم عن حميد بن عبدالرحمان عن عبدالله بن عمر وقال : قال رسول الله ﷺ من الكبائر ان يشتم الرجل والديه قالوا : يارسول الله وهل يشتم الرجل والديه ؟ قال : نعم يسب ابا الرجل فيسب أباه و يشتم امه فيشتم امه. هذا حديث صحيح

ترجمہ: ہمیں قتیبہ نے روایت کی' انہوں نے لیث بن سعد سے انہیں ابن الہاد سے انہوں نے سعد بن ابراھیم سے انہوں نے حمید بن عبدالرحمان سے انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی اپنے والدین کو گالی دے صحابہ کرام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے گا؟ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں' ایک آدمی دوسرے کے باپ کو گالی دے تو وہ اس کے باپ کو گالی دے گا یہ اس کی ماں کو گالی دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

ابواب البر والصلۃ میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کا بیان تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

بر الوالدین کہ والدین کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس باب میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد اور دیگر عبادات پر اہمیت اور ترجیح دی اور ان کو سب پر مقدم کیا۔اب اس کا منفی پہلو بیان کیا جارہا ہے تو اس باب میں عدم بر یعنی والدین کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانی کا بیان ہے۔

(۱) العقوق: عق یعق بمعنی قطع یقطع یعنی صلہ رحمی کا ثا اس کو قطع کرنا والدین کے ادب واحترام اور عظمت کو پامال کرنا وغیرہ سب عقوق میں داخل ہیں۔

عن ابیہ قال: قال رسول اللہ ﷺ الا احدثکم باکبر الکبائر ۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اکبر الکبائر سے خبردار نہ کروں۔

بخاری شریف میں اس کیساتھ ثلاثا کا لفظ زیادہ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی عادت کے مطابق تین بار اہتمام کیلئے اور سامع کو خبردار کرنے کیلئے الا احدثکم باکبر الکبائر فرمایا تاکہ سامعین ہمہ تن گوش ہوکر آگے والا جملہ سن لیں

کبائر: کبیرۃ کی جمع ہے۔کبیرہ کے معنی ہے بڑا گناہ۔

گناہوں کے اقسام:

جمہور علماً اور فقہا کی رائے یہ ہے کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں بعض کبائر ہیں اور بعض صغائر' البتہ ابواسحاق الاسفرائنی فرماتے ہیں کہ گناہ سارے کے سارے کبیرہ ہیں ان میں کوئی صغیرہ نہیں اور ان کے تلامذہ بھی یہی کہتے ہیں کہ گناہ سارے کے سارے کبیرہ ہیں البتہ ان میں طبقات ہیں بعض زیادہ کبیرہ ہیں اور بعض اس سے کچھ کم اس لئے ان کو صغیرہ کہا گیا۔

کبائر کی تعداد: اصل بات یہ ہے کہ کبائر کی کوئی تحدید نہیں بعض صغائر بھی بعض حالات میں کبیرہ بن جائے اگرچہ علماً امت نے کبائر کی تعداد پر بہت بسط کے ساتھ کلام کیا ہے۔

علامہ ذہبی اور دوسرے علماً نے کبیرہ گناہوں پر مستقل کتابیں لکھی ہیں مگر یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ یہاں اکبر الکبائر کہنے سے حصر مراد نہیں کہ بس یہ تین اکبر الکبائر ہیں اور باقی نہیں ان تینوں کے علاوہ اور بھی کبیرہ گناہ ہیں جو دوسری روایات میں مذکور ہیں مثلاً حضرت انسؓ کی روایت میں قتل النفس کو اکبر الکبائر میں شمار کیا۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں پڑوسن کے ساتھ زنا کو بعض روایت میں یمین غموس کو' بعض میں دوسرے افعال کو بھی اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے لہذا یہ الفاظ حصر کے لئے نہیں۔

الاشراک باللہ: اشراک باللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ کو دوسروں کیلئے ثابت کرکے ان کو اللہ کے ساتھ صفات میں شریک کرنا جیسا عربوں میں عام دستور تھا۔

۲۔ عقوق الوالدین:

دوسرا عقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی کرنا یہ وہ لفظ ہے جس کے لئے امام ترمذی نے باب کا انعقاد

کیا ہے اور اسی وجہ سے باب اور ترجمۃ الباب کے مابین تعلق ہے۔عقوق عین کے ضمہ کے ساتھ عق سے مشتق ہے عق کا معنی قطع کرنا یعنی بیٹے کا والدین کے سامنے کوئی ایسی بات کرنا یا ان کے سامنے کوئی ایسا عمل کرنا جس سے والدین کو تکلیف ہوتی ہو اور وہ اس پر ناراض ہوتے ہوں عقوق الوالدین میں داخل ہے۔علامہ ابن عطیہ نے فرمایا ہے کہ مباح امور کے کرنے اور مباح کاموں کے ترک کرنے میں والدین کی اطاعت کرنا واجب ہے اور مندوبات اور فرض کفایہ میں ان کی اطاعت کرنا مستحب ہے البتہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت کے کاموں میں ان کی بات ماننا ضروری نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے کہ لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق (الحدیث) جن کاموں پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہوں وہ گناہ کے کام ہیں ان کاموں میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت اور فرمانبرداری نہیں ہوگی اگرچہ وہ انکے والدین کیوں نہ ہو۔

۳۔ شہادۃ الزور:

تیسرا ان اکبر الکبائر میں شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی دینا ہے۔ شھد کے معنی ہے حاضر ہونا شاھد کو شاھد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس عمل کے وقت حاضر ہوتا ہے اور اپنی چشم دید احوال قاضی کے سامنے بیان کرتا ہے شھید کو شھید بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے دین کی حقانیت پر اپنی جان دے کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کر دیا۔

حق گوئی کی ترغیب:

قرآن کریم اور دیگر احادیث میں حق کی گواہی کی بہت ترغیب آئی ہے - اعدلوا ھو اقرب للتقوی ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ الخ اس کے برخلاف جھوٹی گواہی ہے اسلام نے اس کو شھادۃ الزور سے تعبیر کیا ہے۔تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شھادۃ الزور کو بڑے اہتمام کے ساتھ بیان فرمایا ہے اول تو آپ ﷺ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور الاشراک باللہ اور عقوق الوالدین کو اسی حالت میں بیان فرمایا' پھر اہتمام کے لئے ہیئت بدل کر تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور بار بار فرمایا کہ شھادۃ الزور شھادۃ الزور' سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس اہتمام کی کیا وجہ تھی' آپؐ نے اس کو اتنے اہتمام کے ساتھ کیوں بیان فرمایا؟

شہادت کی اہمیت:

تو یہ اس لئے کہ تمام دنیا کا نظام شھادۃ پر ہے اگر گواہی درست اور صحیح ہو تو نظام درست اور صحیح ہوگا اور اگر گواہی درست اور صحیح نہ ہو تو تمام نظام درہم برہم ہوگا۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے جس میں اشھد ان لا الہ الا اللہ الخ کا ذکر ہوتا ہے اور جب بالغ ہو جاتا ہے تو وہ کلمہ شھادۃ کا ورد اپنی زبان پر لاتا ہے' اس کے بعد اسکو مسلمان سمجھا جاتا ہے اگر وہ اس شھادۃ کا اقرار نہ کرے اور دنیا سے چل بسے تو وہ اس دنیا سے کافر اور مرتد چلا گیا ہو۔شھادۃ کا معنی ہے حق کا اعلان کرنا جو چیز تمھیں حق نظر آئے اس کا اعلان کرنا' تو گویا

اسی شہادۃ یعنی حق کے ساتھ وابستگی پر حقوق اللہ' حقوق العباد او رروحانی نظام کا قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و کیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بک علی ھولاء شھیدا' اورایک اور مقام پر ارشاد ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (الایۃ) تو ان آیات میں شاھد اور شھید کا ذکر ہے' کسی نے اس پر بہت بحث کی ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا مثلاً زکوۃ دینا' روزہ رکھنا' حج کرنا وغیرہ سب شہادت ہی ہیں اس سے زیادہ اہم شہادت یہ ہے کہ آدمی اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرے یہ سب سے بڑی شہادت ہے لوگ اس کو شہید کہتے ہیں اس لئے کہ اس نے حق کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا شہید کا معنی ذبح کرنا نہیں بلکہ یہ حق اور صداقت کی گواہی ہے' شاعر کہتا ہے

یہ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جان تک دے دی لیکن پھر بھی اس کا حق ادا نہ ہوا تو اسلام نے ایسے شخص کا نام شہید رکھا۔ لہذا پتہ چلا کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی شہادت پر ہے' اگر اس میں کمی کی گئی صحیح طریقے سے گواہی نہ دی گئی تو سارا نظام برباد ہو جائے گا۔

شہادت اور موجودہ نظام:

آج کل کی تباہی و بربادی اس شہادۃ الزور کی مرہون منت ہے' لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر گواہی دیتے ہیں اس سے قاتل کو بے گناہ اور بے گناہ کو قاتل قرار دیتے ہیں اس جھوٹی گواہی سے مجرم کو سزا سے بچاتے ہیں' وکلاء اس شہادت الزور کے علمبردار ہیں وہ اس شہادۃ الزور سے حق کو جھوٹ اور جھوٹ کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' عدالت میں حق کو مسخ کرنے اور باطل کو ظاہر کرنے پر تلا رہتا ہے۔ تو وہ اس جھوٹی شہادۃ سے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم بنا دیتا ہے آج کل تمام عدالتی نظام اسی شہادۃ الزور پر قائم ہے۔ پاکستان کے جملہ مسائل نظام عدل کی خرابی کی وجہ سے ہے اور نظام عدل کی خرابی کی وجہ شہادۃ الزور ہے۔ جج صاحب کو پتہ ہوتا ہے کہ یہ آدمی جھوٹی گواہی دیتا ہے اس کو کرایہ پر لایا گیا ہے بعض لوگ تو عدالتوں میں اس لئے جاتے ہیں کہ وہاں اگر کسی کو گواہی کی ضرورت ہو تو وہ گواہی دے کر اس سے ۵۰' ۱۰۰ روپے خرچہ وصول کرتے ہیں۔ یہاں ہمارے اکوڑہ خٹک میں ایک صاحب ہیں' میں تقریباً ہر جگہ امریکہ' برطانیہ' اور جہاں بھی مجھے وکلاء کے سامنے تقریر کرنی ہوتی ہے ان کی مثال پیش کرتا ہوں وہ بیچارے شرم کے مارے سر نیچے کئے ہوتے ہیں اس دور میں ہر گاؤں کے اندر ایسے افراد موجود ہیں وہ صبح سویرے کچہری میں اجرت پر جھوٹی گواہی دینے کے لئے جاتا ہے اور شام کو دوسو' تین سو اسی عمل قبیح کے ذریعے کما کر لاتا ہے۔ یہی ایک آدمی روزانہ عدالت میں جج کے سامنے جا کر گواہی دیتا ہے اور جج صاحب اسی گواہی پر فیصلہ کرتا ہے حالانکہ اس کو پتہ ہے کہ یہ آدمی کرائے کا گواہ ہے اس کی گواہی جھوٹی ہے' مگر اسے فائل کو بھرنا ہوتا ہے

سندات جعلی شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کا حکم:

اس کے علاوہ آج کل شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ چند پیسے لے کر بنائے جاتے ہیں۔ سکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں کی ڈگریاں ۵۰۰ اور ہزار روپیہ پر فروخت کی جاتی ہے اور ایک نااہل کو اس ڈگری کا اہل قرار دیا جاتا ہے، افسوس اور صد افسوس کہ یہ مرض آج کل مدارس دینیہ تک بھی پہنچ چکا ہے دس بیس روپے پر حفظ اور فارغ التحصیل کی سند جاری کی جاتی ہے۔ پھر لوگ اس شخص پر عالم ہونے کا اعتماد کرتے ہیں حکومت میں اس کو نوکری ملتی ہے' حالانکہ مدرسے کی سند پر لکھا ہوا ہوتا ہے الشھادۃ العالمیۃ الشھادہ لحفظ القرآ الکریم تو جب یہ سند کسی غیر عالم یا نااہل کو دی جائے تو یہ بھی شھادۃ الزور ہے لہٰذا اگر دار العلوم حقانیہ کسی نااہل کو سند دے دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص قرآن وسنت کی ترجمانی کر سکتا ہے تو گویا اس نے عالم کو برباد کیا۔

ووٹ کی شرعی حیثیت:

ووٹ ڈالنا بھی شہادت ہے جس کو تم ووٹ دینا چاہتے ہو تو گویا تم اس کے بارے میں اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ وہ اس منصب کا اہل ہے۔ حالانکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہوتا گویا تم نے شہادۃ الزور کا ارتکاب کیا۔

اگر لوگ صحیح اور درست گواہی دیتے تو کیا نظام حکومت برباد ہوتا کبھی نہیں' آج کل تو لوگ ۴۰' ۵۰ روپے کے عوض' فساق وفجار اور غلط آدمی کے حق میں ووٹ ڈالتے ہیں اس غلط طریقہ کار سے جب ایک طرف ۵۰ ووٹ کسی اہل کے حق میں استعمال ہو جاتے ہیں اور ۵۱ ووٹ کسی نااہل کے حق میں' تو بے نظیر اور مجیب الرحمان کی صورت میں نااہل ہمارے اوپر حکمران بن جاتے ہیں اس ایک ووٹ کے اضافے کی وجہ سے مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوا' وہاں ہزاروں لاکھوں لوگ قیدی اور غلام ہوئے یہ ساری تباہی اور بربادی اس غلط شہادۃ کی وجہ سے ہمارے اوپر آئی تو اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شہادۃ الزور کو بہت اہتمام کے ساتھ ذکر کیا۔

محدثین عظام نے اس توجیہ کے علاوہ اور بھی وجوہ اہتمام ذکر کیا ہے چنانچہ علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ چونکہ شہادۃ الزور میں لوگوں کا مبتلا ہونا آسان ہے اور مفسدات زیادہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ شہادۃ الزور اس لئے ہوتا ہے کہ کسی کی جان چلی جائے اسکا مال چھینا جائے' حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا جائے' کبائر میں سے زیادہ ضرر رساں اور فساد سے بڑا اشراک باللہ کے بعد کوئی عمل نہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کو اہتمام کے ساتھ ذکر کیا تاکہ فساد کی جڑ کو ختم کریں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ شہادۃ الزور سے مراد اس روایت میں کفر ہے اس لئے کافر نے جھوٹی گواہی دی۔ مگر علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے یہ توجیہ ضعیف ہے۔

فقلنا لیتہ سکت: یعنی رسول اللہ ﷺ شہادۃ الزور بار بار فرما رہے تھے ہم میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ کاش رسول اللہ ﷺ اب سکوت (خاموشی) اختیار کر لیں۔ آپ ﷺ کا بار بار کہنا اس لئے تھا کہ صحابہ کرام کے

ذہنوں میں جھوٹی گواہی کی قباحت بیٹھ جائے اور سمجھ جائیں کہ جھوٹی گواہی کتنی بری عادت ہے۔ مشفق استاذ اسی طرح کرتے ہیں کہ وہ مشکل اور مہتم بالشان مقام کو مختلف پیرایوں سے اپنی بات کو بار بار دہراتے ہیں اس غرض سے کہ میرے تلامذہ اور شاگرد اس کو سمجھ لیں۔ میرے والد ماجد حضرت مولاناؒ کا یہی طریقہ تھا کہ اگر تم لوگ آپ کی ترمذی کی تقریر ٹیپ سے سنیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مولاناؒ ترمذی کے مشکل ترین مقامات کتنی بار آسان اور جامع الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ کہ وہاں ایک گنوار اور ان پڑھ بھی اس مشکل مقام کو سمجھ جاتا ہے' تو صحابہ کرام بھی چونکہ آنحضرت ﷺ کے تلامذہ ہیں اس لئے آپ ﷺ نے اس کے سمجھانے کے لئے بار بار شہادۃ الزور کا ذکر کیا' چونکہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے اس اہتمام سے سمجھ چکے تھے اسلئے انہوں نے آرزو ظاہر کی آپ ﷺ سکوت اختیار کریں اور مزید مشقت میں نہ پڑیں

اس توجیہ کی وجہ سے آپ ﷺ کے بار بار کہنے کا مقصد سمجھانا تھا کہ لوگوں کو شفقت سے سمجھایا جائے۔ قرآن کریم نے اسی طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے صرف آئین دے کر' ڈنڈے کے زور سے نہیں سمجھایا' اللہ تعالیٰ ہزاروں ماں باپ سے زیادہ شفیق ہے قرآن کریم ایک بات کو سمجھانے کے لئے مختلف طریقیں استعمال کرتا ہے۔ دنیاوی آئین تو شارٹ کٹ الفاظ کہہ کر اپنا حکم لوگوں پر لاگو کر کے اس کو ڈنڈے کے زور سے نافذ کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ڈنڈے اور زور سے زیادہ رحمت' شفقت سے لوگوں کو سمجھاتا ہے۔ اور ان پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے۔

قرآن احکام و واقعات میں تکرار کی وجہ:

بعض لوگوں کا کہنا کہ قرآن کریم میں کوئی فصاحت نہیں اسلئے کہ وہ ایک بات کو بار بار دہراتا ہے جو فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے یہ لوگ جاہل ہیں وہ اس تعریف کے مقصد کو نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کریم کا بار بار کسی واقعہ یا کلام کو ذکر کرنے کے مقاصد پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بڑی حکیمانہ طریقے سے لوگوں کو سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے باپ نے اپنے بیٹے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جان کوا ہے۔ پھر باپ نے پوچھا کہ کیا؟ تو بیٹے نے کہا کہ کوا ہے' پھر تھوڑی دیر بعد باپ نے پوچھا کہ یہ کیا؟ تو بیٹے نے کہا کہ دیکھتے نہیں ہو یہ کوا ہے۔ پھر کچھ تھوڑی دیر کے بعد پھر باپ نے پوچھا کہ بیٹا یہ کیا ہے تو بیٹے نے غضبناک لہجے میں کہا کہ جاؤ آرام سے بیٹھو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہیں سمجھ میں کچھ نہیں آتا' تو باپ اٹھ کر کمرے میں چلا گیا ذہاں بکسے (صندوق) سے ایک سلیٹ نکالا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا تم بہت چھوٹے تھے اور اسی جگہ کو ا بیٹھا تھا' میرے ہاتھ میں سلیٹ اور سلیٹی تھی تو تم نے مجھ سے پوچھا کہ بابا یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ کوا ہے۔ تم نے پھر پوچھا میں نے جواب دیا تم نے پھر پوچھا میں نے جواب دیا اور ہر بار سوال کرنے پر میں سلیٹ پر نشان لگاتا رہا' یہاں تک کہ تم نے سو بار پوچھا اور میں نے سو بار بڑی شفقت سے جواب دیا۔ کسی سوال پر میرے لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ہر بار جواب دینے سے شفقت بڑھتی گئی۔ آج میں نے تم سے پوچھا تو تم چوتھی بار جواب دینے پر غضبناک ہو گئے۔ تو حضرت تھانویؒ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بار بار کسی واقعہ کو اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ سو سو بار بھی اپنی مخلوق کو سمجھانا چاہتا ہے۔

یا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بار بار کہنے سے حالت بدلتی رہی اور ہر بار کہنے سے چہرے پر غصے اور ناراضگی کے آثار ظاہر ہوتے رہے اس لئے صحابہ کرام نے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش آپ ﷺ خاموش ہو جائیں اور آپکا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور ہم عتاب میں نہ آجائیں۔

من الکبائر ان یشتم الرجل والدیہ الخ اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ اپنے والدین کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے' گالی دینا صرف یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنے والدین کو خود ان کے سامنے گالی دے بلکہ دوسرے کے والدین کو گالیاں دینا بھی ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ اپنے والدین کو گالیاں دینا۔ اسلئے کہ جب اس نے دوسرے کے والدین کو گالی دی تو وہ جواباً اسکے والدین کو گالی دے گا اس شخص نے دوسرے کو اس کے والدین کو گالیاں دینے پر برانگیختہ کیا' اور اس کو مجبور کیا۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ سے : سائنسی علوم اور قرآن کا نظریہ علم

وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا ' لا مبدل لکلماته ' وهو السميع العليم (انعام:۱۱۵)

''اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی' کیا بلحاظ سچائی اور کیا بلحاظ اعتدال' اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ وہی سننے اور جاننے والا ہے۔''

نظام فطرت کے بعض رموز واسرار: لہذا ہمیں بے خوف وخطر ہو کر تجرباتی سائنس اور تجرباتی حقائق کی روشنی میں نظام کائنات، سے متعلق قرآنی رموز واسرار کو منظر عام پر لانا چاہیے' تاکہ نوع انسانی کلام الٰہی کے روشن چہرے کا نظارہ کر کے اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کر سکے۔ واضح رہے تجرباتی علوم سے مراد وہ سائنسی حقائق یا اس کے وہ کلی نتائج ہیں جو استقرائی طور پر ثابت شدہ ہیں اور جنکو دنیائے سائنس میں مسلمہ و مصدقہ حقائق کی حیثیت حاصل ہے' اور جو ''قوانین قدرت'' کا درجہ حاصل کر چکے ہیں' بخلاف ظنی وقیاسی نظریات ومفروضات کے اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے ورنہ اشکالات سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اب اگلے صفحات میں اس سلسلے کے بعض حقائق و معارف پیش کئے جاتے ہیں ان حقائق و معارف کی کئی قسمیں ہیں چنانچہ بعض مواقع پر چند مظاہر فطرت کا تذکرہ کرنے کے بعد کہہ دیا جاتا ہے کہ ان مظاہر میں غور و فکر کرنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ جبکہ مطلوبہ نشانیوں کا استنباط کرنا علماء و مفسرین کی فکر و بصیرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ اس قرآنی چوکھٹے کے اندر رنگ بھریں اور خدائی منشاء و مقصد کے مطابق اپنے اپنے دور کے علمی تصوارت کے پیش نظر نئے نئے دلائل منظر عام پر لائیں اسی طرح کبھی اشارتاً اور کبھی صراحتاً بعض مظاہر قدرت میں موجود حقائق کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ انسان ان عجائب قدرت کو عبرت و بصیرت کی نگاہ سے دیکھے اس قسم کے بعض عجائب وہ ہوتے ہیں جو سائنسی علوم کی ترقی کے باعث خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں یعنی قرآنی الفاظ کا مفہوم بغیر کسی تاویل کے صاف صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض حقائق تشبیہات واستعارات کے روپ میں بھی مرقوم ہیں اور بعض حقیقت و مجاز کے طور پر۔ بہرحال اس موقع پر قرآنی حقائق اور اسکے رموز واشارات کی چند قسمیں اصولی طور پر پیش کی جاتی ہیں جنکے ملاحظے سے قرآن حکیم کے اعجاز پر ایک نئی روشنی پڑتی ہے۔ (جاری ہے)